
جہنم کے سوداگر
THE TRADERS OF HELL
محمد جبران
ایم فل اسکالر
Episode 12
ڈی
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

http://paksociety.com

ڈی (بارہویں قسط)

ان لمبے تڑنگے حبشیوں نے خوشی سے جھومنا شروع کر دیا۔ میں سب کچھ دیکھ رہا تھا مگر حرکت کرنے سے معذور تھا۔ میں دیکھ سکتا تھا، سن سکتا تھا مگر بول نہیں سکتا تھا۔ یہی حال یقیناً وام کا بھی ہو گا، مگر حبشی بول بھی سکتے تھے اور اپنی خوشی کا اظہار بھی کر سکتے تھے۔ وہ خوشی سے نہال تھے۔ پتہ نہیں اتنی خوشی کیوں لاحق تھی۔ ہمارے مل جانے کی یا ہمارا شکار کرنے کی۔ انہوں نے خوشی سے ناچنا شروع کر دیا۔ کچھ دیر تک وہ یوں ہی بے ہنگ ناچ گانہ چلتا رہا۔ پھر ایک آواز نے ان سب کو روک دیا۔ وہ بالکل مجسمہ بن کر ایسے رک گئے جیسے اب کبھی نہیں ہلیں گے۔ ان کی حرکتوں سے تو یہی لگ رہا تھا کہ وہ اکیسویں صدی کے سب سے بڑے عجوبے ہیں۔

پھر کچھ دیر تک اسی طرح کی عجیب و غریب آوازیں آتی رہی۔ پھر وہ آواز شانت ہوئی تو ان حبشیوں نے ایک بار پھر سے وہی رقص شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر اس میں گزر گئی وہ کوئی بیس پچیس حبشی تھے جو ہماری بوٹ پر سوار ہو کر یہ حرکتیں کر رہے تھے۔ اس کے بعد یہ رقص بھی تھم گیا تو ان میں دو حبشی عرشے سے نیچے ہمارے کیبن کی طرف آ گئے اور انہوں نے مجھے اور وام کو نیچے سے اٹھایا اور اپنے کندھے پر لاد لیا۔ وہ حبشی چڑھ کر بوٹ کے عرشے پر گئے تو دو مزید حبشی زینے اتر کر نیچے آ گئے۔

میں حبشی کے کاندھے پر جھولتا ہوا ایک پھٹے کی مدد سے دوسری کشتی میں آ گیا۔ میرے پیچھے وام تھا، انہوں نے جا کر بری طرح سے ہمیں کشتی کے فرش پر دے مارا۔ کسی قسم کے درد محسوس کرنے کی کوئی حِس باقی نہیں رہی تھی سو وہ محسوس ہی نہ ہوا۔ البتہ اس

کیفیت کے گزرتے ہی جب وہ نارمل حالت میں واپس لوٹتا تو ضرورام کی کی طبیعت سٹ ہو جاتی تھی۔ خیر کچھ ہی دیر ہمارے سفر کا پھر سے آغاز ہو گیا۔ کئی حبشی شور مچاتے ہوئے ہمارے گرد اکھٹے ہو گئے اور ایک بار پھر سے رقص کرتے ہوئی اپنی خوشی دوبالا کرنے لگے۔ میری آنکھوں کے گرد کبھی دھند چھا جاتی تھی کبھی وہ چھٹ جاتی تھی۔

منظر بدلتا تھا تو دوسرے منظر میں ایک اور حبشی کچھ اور کرتا ہوا پایا جاتا تھا۔ آن کی آن میں بادلوں نے پورے آسمان کو ڈھک لیا۔ بادل اس قدر تیزی سے آئے تھے کہ میں حیران رہ گیا۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے ہم بادلوں کے بالکل پاس آ گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے میرے جسم کو تھپیڑے دینا شروع کر دئے۔ مجھے اُنگھ آنے لگی اور میرا سر اندر سے زور زور سے گھومنے لگا۔ اس کا اظہار تو ظاہر ہے میں نہیں کر سکتا تھا۔ میری آنکھیں چاہ کر بھی بند نہیں ہو سکتی تھیں۔ کیونکہ ان میں اب یہ صلاحیت ہی نہیں رہی تھی۔ اس لئے اگر میں سو جاتا تو میری آنکھیں یوں ہی کھلی رہتیں۔

تھوڑی سی دیر میں جن بادلوں نے آسمان کو گلے لگایا تھا اب انہوں نے برسنا شروع کر دیا تھا۔ موسم کی اچانک تبدیلی رب کا غیر معمولی نظام ہی تھا جو کڑکتی دھوپ کو ہٹا کر فوری بادل لے آیا تھا اور یہ سب کچھ اس کے قبضہ قدرت میں تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے بارش کے موٹے موٹے قطرے پڑنا شروع ہو گئے۔ پھر انہی قطروں کی وجہ سے میں مکمل طور پر اٹھنا شروع ہو گیا۔ مکمل طور پر ایسے کہ میرا منہ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا۔ بارش تیز ہوئی تو بارش کے چند قطرے میری منہ میں بھی جا ٹپکے۔ اسی اثناء میں حبشیوں نے آ کر میری گردن سے وہ سوئی نکال لی۔ تھوڑا سا خون نکل کر باہر آ گیا مگر اب جو ہونے والا تھا اس کا اندازہ مجھے ہر گز نہیں تھا۔ بے شک میں اپنے رب تعالی کی کس کس نعمت کا شکر ادا کرتا۔ یہ بارش بھی کسی رحمت سے کم نہ تھی۔

بارش کے چند قطرے اندر جاتے ہی بے اختیار وہ میرے حلق میں اترتے چلے گئے۔ ان کے اندر جاتے ہی مجھے ایک نئی تازگی کا احساس ہوا اور میں خود میں ایک نئی قوت کو محسوس کرنے لگا۔ پھر حیرت انگیز طور پر جوں جوں بارش کے قطرے میرے وجود پر پڑتے گئے، وجود میں جما ہوا خون ایک بار پھر سے رگوں میں چلنا شروع ہو گیا۔ بارش پڑتی جا رہی تھی اور میرے جسم میں خون کی گردش بھی تیز ہوتی جا رہی تھی۔ پھر میں نے تجربے کے طور پر اپنے ہونٹوں کو تھوڑی سی جنبش دی۔ تو وہ مجھے ہلتے ہوئے محسوس ہوئے۔ آہستہ آہستہ میں نے اپنے جسم میں ایک ارتعاش سی محسوس کی۔

http://paksociety.com

مجھے لگا کہ یہی وقت ایک کاری ضرب لگانے کے لئے ضروری تھا کہیں وہ اپنی فتح کے نشے میں چور مجھے بالکل ہی اِگنور نہ کر دیں ۔سو ان جنگلی قزاقوں کے لئے مجھے بھی اب جنگلی بننا تھا۔شاید جتنا یہ وحشی تھے اس سے کہیں زیادہ وحشی پن کا مظاہرہ مجھے کرنا تھا۔اب وہ کیسے ہو سکتا تھا یہ تو چند لمحوں کی بات رہ گئی تھی۔میں نے بھی اپنے دل میں یہ بات ٹھان لی تھی کہ ان وحشیوں کا غرور ضرور خاک میں ملا کر رہوں گا۔پھر میں دیکھتا کہ یہ کیسے رقص کرتے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

"دیکھا یہ ہے پاکستان کی لاجواب سروس،مجھے تو خوف تھا کہ کہیں فضا میں ہی اس کے پیچ پرزے ڈھیلے پڑ گئے تو اُس وقت ہمارے جسموں کے نشان بھی نہیں ملنے۔اب بھی ویسے ہی ہوا یہ ابھی کچھ دیر فلائٹ کو چلے نہیں ہوئے تو اس کی سانس پھولنے لگی ہے ۔کیا اب بھی آپ اپنے پاکستان کی تعریف کریں گے۔کیا یہ ہے آپ کا پاکستان جسے دیکھ پر آپ اس کے گرویدہ ہو گئے تھے؟"آمنہ جہاں کا پارہ اپنے پورے جوبن پر تھا شاید اس کے بس میں ہوتا تو وہ بغیر پیراشوٹ کے جہاز میں باہر سے جھلانگ لگا دی۔پھر رب جانے اور آمنہ جہاں جانے مگر پتہ نہیں کیا سوچ کر اپنی آپ کو اس نے قابو میں رکھا ہوا تھا۔میں اس کی بات سن کر تحمل سے مسکرایا اور پھر کہنے لگا۔

"دیکھیں محترمہ آپ تو مجھ پر ایسے غصہ ہو رہی ہیں کہ جیسے اسے میں خود چلا رہا ہوں اور میں پاکستان کا باشندہ ہوں۔ایسی کوئی بات نہیں مجھے پاکستان سے پیار ضرور ہے پر پاکستان میرا ملک نہیں اس لئے اس کی جو چیز بری ہو گی اس کا الزام مجھ پر نہ دیں۔لیکن جو باتیں میں نے اس سے قبل پاکستان کے بارے میں کیں میں اب بھی اس پر قائم ہوں۔ہر ملک کی کہیں نہ کہیں کمزوریاں ضرور ہوتی ہیں۔کوئی بھی ملک اس وقت دنیا میں جنت کی طرح نہیں بسا ہوا۔اچھی بری چیزیں اس دنیا کا حسن ہیں انہیں ساتھ ساتھ ہی چلنا چاہیے۔اسی سے ہی تو ہمیں زندگی کی رمق ملتی ہے۔ورنہ تو شاید مریخ لگے جہاں پر تا حال پانی دریافت نہیں ہو سکا۔چلو یہاں تو ہے ناں اسی پر گزارہ کریں۔"

"مطلب کچھ کر لیں آپ کے دل سے پاکستان کی محبت نہیں جائے گی۔چلیں مان لیا آپ کی والدہ ضرور پاکستانی ہو نگی تبھی آپ کی یہ محبت رہی ہو گی پر ایسا بھی کیا کہ اگر کچھ برا ہو تو آپ اسے برا کہنے کو ہی تیار نہیں ہیں؟"

"محترمہ میں نے کب کسی بری چیز کو برا نہیں کہا۔ جو غلط ہے وہ غلط ہے پر ہر وقت بھی تو اس کی برائی نہیں کرنی چاہیے نہ۔ یہاں انسانوں کے بارے میں کوئی پورے وثوق سے نہیں کہہ سکتا کہ یہ کب تک ٹھیک طرح سے کام کرتے رہیں اور کب ان کا بلاوہ آئے اور یہ یہاں سے کوچ کر جائیں۔ یہ پھر جہاز ہے اس کے خراب نہ ہونے کی کون ذمہ داری لے سکتا ہے۔ امریکہ جیسا ترقی یافتہ ملک بھی کبھی ان کمزوریوں پر مکمل طور پر قابو نہیں پا سکا وہاں بھی اس قسم کے حادثات ہوتے رہتے ہیں۔"

"آپ کو امریکہ کا بڑا پتہ ہے؟ کیا وجہ آتے جاتے رہتے ہیں کیا؟" دیکھئے چھپانا نہیں ہے آپ نے مجھے بھی بہت دل کرتا ہے وہاں جانے کو بس موقع نہیں بن سکا کبھی وہاں جانے کا ورنہ تو میں اب وہیں رہ رہی ہوتی۔ مجھے پوری دنیا میں سب سے زیادہ اچھی جگہ وہی لگتی ہے۔"

"چلیں پھر آپ کی پسندیدہ جگہ آپ کو خوب مبارک ہو۔ میں ویسے وہاں ایک دو دفعہ جا چکا ہوں۔ اتنا اچھا تو مجھے نہیں لگا جتنا آپ کو لگ رہا ہے۔ لیکن چونکہ آپ کی خواہش ہے وہاں جانے کی تو میری بھی دل سے دعا ہے کہ اللہ آپ کو وہیں لے جائے جہاں پر آپ کے چھپے ہوئے ارمانوں کی ٹھیک طرح سے ترجمانی ہو سکے۔"

"یہ آپ نے مجھ پر طنز کیا یا مجھے آپ سچ میں دعا دے رہے ہیں۔ آپ کی دعا میں بھی مجھے کہیں نہ کہیں کاٹ لگ رہی تھی۔ چلیں جو بھی ہے میں اس پر آمین ہی بول سکتی ہوں اس کے علاوہ اور کیا کہوں۔ ویسے کیا کبھی آپ کا ایران جانے کا اتفاق ہوا یا نہیں؟"

"نہیں میرا تو نہیں ہوا، بس کبھی موقع ہی نہیں بنا۔ لیکن میرا ابھی دل تھا کہ کم سے کم زندگی میں ایک بار پوری دنیا کا چکر ضرور لگا لوں۔ اس میں ایران بھی شامل تھا یہاں بہت سے تاریخی مقامات ہیں جن کو دیکھنے کا بہت اشتیاق ہوا۔ چلیں اب جہاز میں خرابی ہو گئی تو اسی بہانے کچھ نہ کچھ دیکھ لیں گے۔"

"ویسے میرے ماموں یہیں پر ہی ہوتے ہیں۔ ان کا یہاں پر اپنا بزنس ہے، کیا خیال ہے جب ہم ائیر پورٹ پر اتریں تو انہیں نہ بلا لیں ۔ تھوڑی سی گپ شپ ہو جائے گی؟ جب دو تاجر مل بیٹھیں گے تو دیکھیں کیا کچڑی پکائیں گے ذرا ہمیں بھی تو پتہ چلے ناں۔" اس کی بات سن کر میں بے اختیار ہنس دیا۔

"بس اسی قسم کی ہی کھچڑی ہو گی جو اب تک ہم بناتے آئے ہیں اور معدہ تا حال خراب ہے۔ آپ تو جانتی ہیں ناں کہ پاکستان کے دیہاتوں میں کھچڑی کو عموماً اسی لئے بنایا جاتا ہے تا کہ پیٹ کی مختلف بیماریوں کا علاج ہو سکے۔۔۔"

"واہ کیا کہنے آپ کے آپ کو تو پاکستان کے دیہاتوں کا بھی پتہ ہے۔ ویسے بائے داوے کیا کیا جانتے ہیں آپ؟ اور آپ نے تا حال مجھے اس بات کا تو جواب ہی نہیں دیا کہ اگر آپ برا نہ منائیں تو میں اپنے ماموں کو بلا لوں؟"

"بس جب سے آپ کے ساتھ بیٹھا ہوں پتہ نہیں مجھے کیا کیا باتیں یاد آنا شروع ہو گئی ہیں۔ میرا خیال ہے آپ ان کو بلا ہی لیں اس سے پہلے کہ میں واقعی برا مان جائوں کہیں ایسا ناں ہو کے آپ کی یہ خواہش بھی بہت سی خواہشات میں کہیں دفن ہی ناں ہو جائے

"میں اسے دراصل پاکستان کے خلاف بولنے پر تھوڑا سا زچ کرنا چاہ رہا تھا تا کہ اسے بھی محسوس ہو کہ پیارے پاکستان کے خلاف نہیں بولنا چاہیے۔ ابھی تو میں وقار علی جان کے روپ میں نہیں ورنہ اس کا سارہ نخرہ ہی نکال دیتا۔ مجھے ایسے لوگ کم ہی پسند ہوتے ہیں جو ساری عمر پاکستان کی روٹیاں توڑتے ہیں اور پھر اسے ہی برا بھلا کہہ رہے ہوتے ہیں۔ سوال یہ نہیں ہے کہ پاکستان نے انہیں کیا دیا؟ سوال یہ ہے کہ انہوں نے پاکستان کو کیا دیا؟ بس یہی سوال اکثر لوگوں کی بولتی بند کر دینے کے لئے کافی ہے۔

"ہاہاہا بالکل ٹھیک کہا آپ نے میری بھی یہی خواہش تھی کہ ان سے آپ کی ملاقات ہو جائے چلو ہزاروں خواہشیں نہ صحیح یہ والی تو پوری ہو ہی جانی چاہیے۔" اس کی بات سن کر میں ایک بار پھر سے مسکرا دیا تو دوسری طرف طیارے میں پھر سے معذرت خواہانہ لہجے میں ہمیں بتایا جا رہا تھا کہ تکنیکی خرابی کی وجہ سے طیارے کو چند گھنٹوں تک روکا جا سکتا تھا۔ اس لئے میں نے کہا کہ اب یہ اس قدر کہہ رہی ہے تو واقعی ان محترمہ کے ماموں جان سے بھی مل لیں۔ اگر یہ ایسی ہیں تو سوچیں ان کے ماموں کیسے ہونگے۔۔۔

یہ خیال آتے ہی میں نے بے اختیار اپنے سر پر ہاتھ پھیر لیا۔ وہ اب کھڑکی کی طرف دیکھ کر باہر کا نظارہ کر رہی تھی۔ جانے اس کے من میں کیا چل رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

میں اس وقت پیٹ کے بل پڑا ہوا تھا اور میرا سر دائیں طرف کو ڈھلکا ہوا تھا اور میرے پیچھے میرے بالکل قریب کوئی موجود تھا۔ میں نے تڑپ کا ایک کروٹ لی اور میری ٹانگ ٹھیک اس کے پیٹ میں لگی۔ وہ دہرا ہوا تو میں نے نہایت پھرتی سے اپنی ٹائی کھول کر اس کی گردن میں ڈالی اور اسے ہوا کے دوش پر پوری قوت کے ساتھ پانی میں اچھال دیا۔ وہ کچھ دیر کے لئے ہوا میں تیرا اور پھر ایک جھپاکے کے ساتھ پانی میں جا گرا۔ ایک سیکنڈ کے ہزاویں حصے میں میں یوں اچھل کر کھڑا ہو گیا جیسے میری کمر پر اسپرنگ لگے ہوں۔

بس پھر کیا تھا وہاں کا منظر ہی بدل گیا وہاں سب کچھ میدان جنگ بن گیا۔ میری اس حرکت پر چار پانچ حبشی جو مجھ سے تھوڑا ہی فاصلے پر تھے غصے اور حیرت کے ملے جلے تاثر سے مجھ پر پل پڑے۔ میں نے اپنی ٹائی کسی ہنٹر کی طرح گھمائی اور پھر ان کی آنکھوں میں دے ماری۔ ان کا دھیان ایک پل کے لئے ہٹا اور آنکھیں بند ہوئی ہی تھیں کہ میں نے ان پر چیختے ہوئے جھلانگ لگا دی۔ میں ان پانچ حبشیوں کو لیتا ہوا نیچے گرا، پھر میں ایک دم سے ہلکا سا اٹھا اور دو حبشیوں کے جبڑوں پر اپنا آہنی گھٹنا پوری قوت سے دے مارا۔ میرا گھٹنا لگتے ہی دونوں کے سامنے والے دانت ٹوٹ کر باہر آ گئے۔ اس کے ساتھ ہی ان کے منہ سے خون نکل آیا۔

ابھی میں وہیں تھا کہ دو تین حبشی جو میرے پاس تھے اور وجہ سے گر گئے تھے اچھلتے ہوئے میرے سر پر آ گئے۔ میں کھڑا ہو کر نہ صرف ان کے حملوں سے خود کو محفوظ کیا بلکہ ایک ایک کو اس کی گردن سے پکڑ کر پانی میں پھینکنا شروع کر دیا۔ یہی عمل ابھی جاری تھا کہ مزید خوفناک شکلوں والے حبشی اپنی خونی آنکھوں سے میری جانب بڑھنے لگے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں بیس بال بیٹ تھا۔ پھر اسی بیس بال بیٹ والے حبشی نے اپنے پیلے دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے چیخ کر میرے سر پر بلا گھمانے کی کوشش کی ہی تھی کہ میں نے اس کے بلے کو اپنے ہاتھوں کی مدد سے روکا اور پھر ایک جھٹکے کے ساتھ ہی اس کے ہاتھوں سے میں نے وہ بلا چھین لیا۔

بس پھر کیا تھا میں نے اسی بلے کو اپنے لئے ہتھیار بنایا اور پھر وہی بلے باز جو مجھ پر حملہ آور تھا اس کے بھیجے میں رکھ کر وہی بلا گھمایا کہ اس کی کھوپڑی کے تار بری طرح سے ہل گئے۔ وہ تین بار فضا میں گول گول گھوما اور اڑتا ہوا دور جا گرا، اس کے بعد چار حبشی ایک ساتھ مجھ پر خالی ہاتھوں سے حملہ آور ہوئے تو میں نے ایک ایک کو چن چن کر اسی بلے سے دھو ڈالا۔ شاید یہ منظر دیکھنے والا بھی ڈر کے مارے دبک کر بیٹھ جاتا اور ان مناظر کی تاب نہ لا سکتا۔ اس سے بڑھ کر مجھ پر جو جنون طاری تھا اس کا کوئی توڑ نہیں تھا۔ اب میرا بلا تھا اور ان کے سر تھے۔ ہر طرف خوف کا سماں تھا اور خون ہی خون بکھرا ہوا تھا۔ مجھ اکیلے کو انہیں کنٹرول کرنا سب سے مشکل دکھائی دے رہا تھا۔

اگر وہ جہنم کے قزاق تھے تو میں بھی ان کا شکاری تھا۔ اس دن مجھے روکنا بے مشکل تھا جب تک خدا نے میرے جسم میں جان رکھی تھی میں انہیں بتانا چاہتا تھا کہ کسی مرد سے ان کا پالا پڑا۔ بارش اس رفتار سے جاری تھی بلکہ اب تو گھن گرج کے ساتھ تیز بجلی بھی چمک رہی تھی۔ حبشیوں نے پھر میرے گرد گھیرا بنا کر نیم دائرہ کی صورت میں میری جانب بڑھنا شروع کر دیا۔ میں سب سے پہلے اچھلا اور اڑتا ہوا درمیان کے حبشیوں کو لیتا ہوا زمین پر گرا اور کروٹ بدل کر پوری شدت کے ساتھ ان کی دھنائی شروع

کر دی۔ جو ارد گرد والے تھے جو سائیڈ پر ہو گئے۔ اس اثناء میں پیچھے سے ایک حبشی نے آ کر میری گردن دبوچ لی۔ میں نے اس کی گردن میں ہاتھ ڈال کر اسے اچھالنا چاہا ہی تھا کہ ایک سوئی سنسناتی ہوئی حبشی کی گردن میں لگی اور پھر اسے ایک جھٹکا لگا تو وہ میرے کندھے پر ہی جھول گیا۔ اس سے قبل کے میرے پاس موجود حبشی کسی اور سوئی سے مجھ پر وار کرتے، میں نے اپنے اوپر موجود حبشی کو ہٹایا اور پھر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

باقی حبشی مجھ سے کچھ کچھ خائف دکھائی دیتے تھے اس لئے دور دور رہنے لگے تھے۔ اب مسلسل سوئیں ایک کیبن کی کھڑکی سے چھپ کر مجھ پر برسائی جا رہی تھیں اور میں تیزی سے جھک کر یا تو سائیڈ پر ہو جاتا تھا تو پھر وہ میرے پاس سے گزر جاتی تھیں۔ دو تین تو میرے ساتھ موجود حبشیوں کو بھی لگی تو وہ بھی میرے پاس ہی ڈھیر ہو گئے۔ آخر اس کے پائپ میں خونی سوئیوں کی تعداد تمام ہوئی اور اس نے جلدی سے کھڑکی بند کر لی۔ میں اس کیبن کے پاس پہنچا اور ایک لات گھما کر اس کے دروازے پر ماری تو دروازہ ٹھاکر کے دیوار سے جا لگا اور میں اندر جا گھسا۔

مجھ پر سوئیاں برسانے والا کوئی مرد حبشی نہیں بلکہ اپنے حلیئے میں ایک جیسے لگنے والی وہ ایک حبشی عورت تھی۔ میرے اندر آتے ہی اس نے ایک طرف میز پر رکھی ہوئی تلوار اٹھالی اور اپنی خونی نگاہوں سے مجھے گھورنے لگی۔ جب مجھ پر یہ حقیقت واضح ہوئی کہ وہ حبشی عورت ہے تو میرے جنون میں کمی آ گئی۔ کیونکہ عورت پر ہاتھ اٹھانا میری مردانگی کے خلاف تھا چاہیے وہ جتنی ہی جنگلی یا بد تمیز کیوں نا ہو۔ اس خیال کے آتے ہی میں نے کمرے کا دروازہ جوں ہی پھیر کر بند کیا۔ اچانک میری گردن میں میری ہی ٹائی کو مضبوطی سے باندھ کر اس کے اوپر زور بڑھایا جانے لگا۔ کیونکہ بیس بال بیٹ اٹھاتے ہی وہ میرے ہاتھ سے نکل گئی تھی۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے ٹائی کو پکڑا مگر پیچھے سے پریشر بڑھے ہی چلے جا رہا تھا میں نے ایک بھرپور کہنی اس کے پیٹ میں ماری اور اپنے آپ کو چھڑانے کے لئے تمام داؤ پیچ آزمانے لگا۔ مگر لگتا تھا کہ میری گردن آسانی سے نہیں چھوٹے گی۔ پھر کیا تھا میری آنکھوں میں نہ چاہتے ہوئے بھی پانی آنے لگا اور میں آہستہ آہستہ ڈھیلا پڑتا چلا گیا۔ مگر ہمت تو پھر بھی میں نے نہیں ہاری تھی اس پر لگاتار اپنی کہنیاں برساتا رہا۔۔۔ لیکن پھر۔۔۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

http://paksociety.com

کچھ ہی دیر میں ہمارا طیارا ایران کے سب سے قدیم مہرہ آباد انٹر نیشنل ائیر پورٹ کی فضاوں میں چکر لگانے لگا۔ یہ 1938 میں قائم ہوا تھا اور مسافروں کی آمد روفت کے حوالے سے یہ ہر دور میں بھرا ہوا پایا گیا۔ اس ائیر پورٹ پر بین اقوامی سمیت ملکی فلائٹس بھی آتی جاتی رہتی تھیں۔ میں جس دور کی بات کر رہا ہوں یہ اس دور میں ایران کا سب سے اہم ائیر پورٹ ہوا کرتا تھا۔ مگر بعد ازاں امام خمینی انٹر نیشنل ائیر پورٹ نے اس کی جگہ لے لی۔ اس کا نظارہ اوپر سے بلاشبہ قابل دید تھا۔

ایران نہ صرف ایک تاریخی ملک ہے بلکہ یہ اپنی خوبصورتی کے لحاظ سے بھی کسی طور کم نہیں ہے۔ اس میں فارس کی کئی ہزار سال پرانی تاریخ ہے جہاں پر سب سے قدیم آتش کدہ ہوا کرتا تھا۔ جہاں لوگ آگ کے بجاری ہوا کرتے تھے۔ وہ لوگ اپنی روح کی پاکیزگی راکھ کی مدد سے کیا کرتے تھے۔ اسی لئے وہ آگ کے پجاری کہلائے۔ تہران کا شمار تاریخ کے قدیم شہروں میں ہوتا ہے اسے تیرویں صدی عیسوی میں منگولیوں نے تباہ کر دیا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ اس کی دوبارہ سے تعمیر ہوئی اسے 1796 عیسوی میں سب سے پہلے قجر سلطنت کے بادشاہ آغا محمد خان نے پہلی دفعہ ایران کا دار لحکومت بنایا۔ پھر اس کے بعد پوری تاریخ میں کئی بار ایران کا دار لحکوت میں تبدیل ہوتا رہا۔ یہاں پر ایران کی سب سے بڑی قجر اور پہلوی سلطنتوں نے اپنی اپنی حکومتیں قائم کیں۔ جو ایران کی سب سے بڑی بادشاہوتیں ہوا کرتی تھیں۔ اس اعتبار سے ایران کی اہمیت کبھی بھی کم نہیں ہوئی۔

تھوڑی دیر کے بعد ہمارا طیارہ مہرہ آباد انٹر نیشنل ائیر پورٹ کے رن وے پر دوڑنے لگا۔ طیارے کو زمین پر اترتا ہوا محسوس کر کے آمنہ جہاں نے سکھ کا سانس لیا اور پھر مجھے کہنے لگی۔

"شکر ہے میرا مولا کہ ہم لوگ سکون سے زمین پر لینڈ کر گئے مجھے تو لگ رہا تھا ہماری روحیں ہی اس جہاز سے نکلیں گی۔۔۔"

"مس آمنہ آپ نے جس طرح شکر کیا ہے اس سے تو لگتا ہے کہ طیارے میں آپ سب سے زیادہ تکلیف میں تھیں اور راستے بھر طیارہ یوں جھولتا رہا جیسے اب تب میں گرا۔۔۔ حالانکہ ایسا کچھ بھی نہیں۔۔"

"پھر بھی انسان کو ہر حال میں شکر ادا کرنا چاہیے۔ معلوم نہیں کب کہاں ہماری روح قفس عنصری سے پرواز کر جائے۔ دیکھیں اتنا مشکل فقرہ بولا اور اس مصیبت جیسی جگہ پر تو ایسے فقرے خود بخود ہی منہ سے ادا ہو جاتے ہیں۔"

http://paksociety.com

"فقرے تو میرے ذہن میں بھی بہت سارے آرہے ہیں مگر مجھے لگتا نہیں ہے کہ یہ مناسب وقت ہے ان فقروں کے اظہار کا سو انہیں رہنے ہی دیں۔ چلیں پھر آپ کے ماموں سے مل لیتے ہیں شاید وہاں کچھ فقروں کی آمد ہو جائے۔ ذرا انہیں بھی دیکھیں کہ وہ کیسی ہستی ہیں اگر آپ اتنی نالج ایبل ہیں تو سوچیں ان کے پاس کتنا نہ علم ہو گا واقعی مجھے ان سے ضرور ملنا چاہیے۔"

"آپ کو ضرور ان سے ملنا چاہیے وہ واقعی لفظوں کے جادو گر ہیں۔ آپ کو ہنسا ہنسا کر لوٹ پوٹ کر دیں گے۔ کم سے کم کچھ دیر تو ہماری اس پاکستانی جہاز سے جان چھوٹے گی۔" اس کی بات ختم ہوتے ہی میں نے ایک گہرا سانس لیا اور پھر کہنے لگا۔

"ویسے اب تک میں نے بھی آپ کو بہت بور کیا ہے۔ پتہ نہیں آپ نے مجھے کیسے برداشت کیا ہو گا مجھے تو پوری طرح سے ہنسانا بھی نہیں آتا اور سنا ہے کہ خواتین کو ہنسی بڑے جلدی آجاتی ہے۔ پر دیکھیں میں اس معاملے میں کتنا نالائق ثابت ہوا ہوں آپ کو ہنسا بھی نہیں سکا الٹا میری وجہ سے آپ کو بوریت میں اضافہ ہوتا رہا"

"آجاتی ہے اس میں کون سی بڑی بات ہے اور نہیں جی آپ نے مجھے کیوں بور کرنا ہے آپ مجھے باقی مردوں سے کافی مختلف لگے ہیں اب تک کی گفتگو سے تو میں نے یہی نتیجہ اخذ کیا آگے کا پتہ نہیں۔ آگے بھی دیکھ ہی لیں گے وہ کون سی دور ہے ویسے مجھے اب سچ میں اس جہاز سے شدید کوفت ہو رہی ہے۔

"آگے کا تو مجھے بھی نہیں پتہ جانے کب کیا ہو جائے ویسے پرائے دیس کا بھی اپنا ہی مزہ ہے چلو جب تک جہاز کو اپنا حلیہ بدلنے اور دوبارہ رواں ہونے میں ٹائم لگے گا ہم کچھ گھوم پھر لیں گے۔ پر یہ تو آپ کا ہی دیس ہو اناں جہاں بھی انسان کا کوئی رشتہ دار ہو انسان کا دل قدرتی طور پر اس جگہ کی مائل ہو جاتا ہے۔ آپ کے ماموں یہاں رہتے ہیں تو گویا آپ کا اپنا ہی گھر ہوا"

"درست کہہ رہے ہیں آپ مجھے بھی یہاں اپنا اپنا سا محسوس ہوتا ہے پتہ نہیں مجھے کیا ہو رہا ہے دل کی دھڑکنیں تیز ہو رہی ہیں" ۔ایسا لگتا ہے کہ کوئی اپنا ملنے والا ہے اور وہ اپنا اپنے ماموں ہی ہوئے ناں۔ او سوری میں نے ان سے آپ کا تعارف تو کرایا ہی نہیں وہ قیصر جہاں ہیں چالیس سے اوپر ہی ان کی عمر ہو گی۔ چہرے پر ہلکی ہلکی مونچیں اور سر بالوں سے عاری اس سے تو آپ کو سمجھ جانا چاہیے کہ وہ زندگی کے کتنے رنگ دیکھ چکے ہونگے۔

"جی آپ بالکل صحیح کہہ رہی ہیں واقعی وہ کافی تجربار ہونگے اور آپ کی طرح بہت باتونی بھی اس لئے مجھے بھی اپنی زبان تیز کر کے جانی ہو گی۔ معلوم نہیں کب کام آجائے اور ان کے تجربے سو تو یقیناً مستفید ہونے کا موقعہ ملے گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ میرا طنز سمجھتی ہوئی کہنے لگی۔

"زبان تیز کر رہے ہیں یا چھری؟ آپ پہلے ہی کافی تیز ہیں، مزید کچھ بھی تیز کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بس۔۔۔" اس نے ایک بار پھر سے منہ پھیر کر دوسری طرف کر لیا۔

اب جہاز رکورکنے میں کچھ ہی دیر باقی رہ گئی تھی۔۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

لیکن پھر میرا بلا گرا اور پھر وہی بلا اس افریقی عورت کے ہاتھ لگ گیا۔ اس نے وہ بلا اٹھا کر پوری قوت سے میرے پیٹ میں رسید کیا۔ میں بلا لگتے ہی ہلکا سے نیچے ہوا اور قدرتی طور پر میں مڑ گیا۔ اب میرا رخ اس عورت کی طرف تھا اور میری پشت پر موجود ٹائی بردار حبشی کیبن کے دروازے سے پشت لگائے کھڑا تھا۔ ابھی میں پہلا درد نہیں سہہ پایا تھا کہ اس عورت نے ایک بار پھر سے بلا میرے سینے میں دے مارا بس پھر کیا تھا اس نے تین چار دفعہ میرے جسم کے مختلف حصوں پر مار کر مجھے تارے دکھا دیئے تھے ۔میں درد کی شدت کو برداشت کرتا ہوا اچھلا اور پھر پوری قوت سے عورت کے سر میں اپنے دونوں بوٹ جڑ دیئے۔ اس بار میرا عورت کو مارنا مجبوری بن گیا تھا۔ کیونکہ میں اس وقت آہنی ہاتھوں میں قید تھا تو دوسری طرف وہ میری اس بے بسی کا فائدہ اٹھا رہی تھی۔

میرا بوٹ کھاتے ہی اس کے ہاتھ سے بلا چھوٹ گیا اور وہ اڑتی ہوئی کرسی سے جا لگی۔ اتنی دیر میں میں نے اپنے جسم کو تھوڑا سا آگے کر کے پوری قوت سے اپنی پشت دیوار کے ساتھ جا لگائی۔ اس بار اس حبشی نما جانور کی کراہ نکلی اور پھر میں نے تین چار بار لگاتار یوں ہی کیا تو اس کی گرفت ٹائی پر سے ڈھیلی پڑ گئی۔ میں نے پھر اپنے دانتوں کو پیس کر ایک دفعہ بھرپور زور لگا کر اپنے آپ کو آزاد کروایا اور اس کے ہاتھ سے ٹائی کھینچ لی۔

ٹائی میرے ہاتھ میں آتے ہی میں اپنے درد کو بھلا کر سب سے پہلے پلٹ کر اس حبشی کے پیٹ میں گھونسہ مارا اور پھر اس کی گردن کے گرد اپنی ٹائی لپیٹ کر اس کا سر پوری طاقت کے ساتھ سائیڈ پر لگی ہوئی کھڑکی کے اوپر اچھال دیا۔ میرے ہاتھ سے ٹائی چھوٹی گئی

http://paksociety.com

اور وہ اڑتا ہوا کھڑکی سے ٹکرایا اور شیشے توڑتا ہوا کشتی کے اس پار ایک جھپاکے کے ساتھ پانی میں جا گرا۔ اس کے پانی میں گرنے کا شور کافی دیر تک فضا میں رہا۔ بارش اپنی پوری شدت کے ساتھ جاری تھی اور اب ایسے لگتا تھا کہ وہ آسانی سے جانے والی نہیں۔ پانی میں بہنے والی موجوں میں ایک اضطراب پیدا ہوا اور اس کے بہاؤ میں طغیانی آگئی۔ پھر لہریں میں یوں مل گئیں جیسے کچھ بھی نہ ہوا ہو۔ کشتی کے عرشے پر ہر طرف زخمی حبشی بکھرے پڑے تھے اور چار سو ان کا خون پھیلا ہوا تھا۔ اس دوران وام بالکل اسی طرح بے حس و حرکت پیٹ کے بل پڑا ہوا تھا۔ مجھے ابھی اس کی زیادہ پرواہ نہیں تھی۔ پہلے مجھے اپنے لئے میدان صاف کرنا تھا۔ کچھ حبشی میری اس کاروائی سے متاثر ہو کر ہلکی پھلکی کُٹ کھا کر نو دو گیارہ ہو گئے تھے۔ کچھ اپنی کمر کو رو رہی تھے تو کچھ اپنے جسموں کی دیگر ہڈیوں کو۔ ان کے ساتھ شاید زندگی میں ایسا بھیانک حادثہ پہلی دفعہ ہوا تھا کہ ایک انسان نے ان کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی تھی۔

اتنی دیر میں میری توجہ اس عورت سے ہٹ گئی تھی اور میں پشت کئے کھڑکی کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اس نے مجھے کسی اور ہی دنیا میں مگن پایا تو اس نے موقعے سے فائدہ اٹھانے کے لئے نہایت آہستگی سے وہ بیس بال بیٹ اٹھایا اور پوری قوت کے ساتھ میرے سر پر دے مارا۔ وہ کوئی معمولی عورت نہیں تھی اس کی رگوں میں بھی پورا جنگلی خون تھا اور وہ ہٹی کٹی تھی عام لائف میں کسی بھی مرد سے کئی گنا زیادہ طاقت ور تھی۔ جنگلی عورتیں بھی جنگلی مردوں کے ہم پلہ ہوتی ہیں، مجھے اپنی قوت پر کافی حیرت ہوئی تھی کہ میں تن تنہا پوری افریقی فورس کی ہڈی پسلی ایک کر دی تھی یہ بات خود کسی معجزے سے کم نہیں تھی۔ کہاں وہ عام انسانوں سے کہیں زیادہ طاقت ور اور کہاں میں خیر میں اپنا سر تھامے اس کی جانب پلٹا تو اس نے رکھ کر ایک بار پھر سے ہتھوڑے نما بیٹ میرے سر پر دے مارا تو میری آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگے اور میں لاشعوری طور پر اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ میرا سر چکرانے لگا لیکن ایک خیال مجھے مسلسل دماغ میں کسی بچھو کی طرح ڈنگ مار رہا تھا کہ اگر اب میں یوں گر گیا تو پھر شاید میری لاش ہی یہاں سے جائے۔ اس خیال کے آتے ہی جب اس نے تیسری بار میرے سر پر بلا مارنے کے لئے اپنے پر تولے تو میں ایک دم سے اٹھ کر کھڑا ہوا اور بلے کو پوری شدت کے ساتھ پکڑ لیا۔ اب ہم دونوں کا زور لگ رہا تھا کہ بلا کس کے ہاتھ میں آئے۔

یہ ساری لڑائی اس وقت کیبن کے اندر چل رہی تھی کہ اتنے میں پانچ لمبے تڑنگے حبشی ہاتھوں وہی بیس بال بیٹ لاتے ہوئے مجھے دور سے نظر تو میں ہوشیار ہو گیا۔ یہ دوسری کشتی سے اس کشتی میں سوار ہو کر آئے تھے اور ان کی آنکھیں شعلے اگل رہی تھیں۔ ان

کی چال سے ہی میں ان کے ارادے بھانپ گیا تھا۔ میرے پاس اب اپنی زندگی کے لئے زیادہ وقت نہیں تھا۔ ان کو دیکھتے ہوئے بس ایک لمحہ کے لئے میری توجہ ہٹی پس وہی لمحہ مجھ پر بھاری ثابت ہوا۔ اس عورت نے میرے ہاتھ سے بلا چھینا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس نے پوری قوت سے اسے میری چھاتی پر چلا دیا۔ اس کا ہتھوڑا کھاتے ہی میرا وجود پیچھے کو ہوا تو اس نے میرا سر اسی بلے کے ساتھ بھن کے رکھ دیا۔ بس پھر کیا تھا میں اپنا سر تھامے کراہتا ہوا نیچے گرا۔ میرا سر خون سے تر تھا میری گردن لال ہو چکی تھی اور میں ایک بار پھر اپنے ہوش میں نہیں تھی۔ اتنی ہی دیر وہ حبشی کیبن کے اندر داخل ہوئے اور جتنی مار میں نے ان حبشیوں کو کھلائی تھی اس سے کہیں زیادہ مارا انہوں نے مجھے کھلا دی۔ میرے جسم کا کوئی ایسا حصہ نہیں تھا جہاں انہوں نے بیس بال بیٹ سے میری دھنائی نہ کی ہو۔ بیٹ اب ایک نہیں تھا چھ ہو گئے تھے اور انہوں نے میری ٹھیک ٹھاک درگت بنا کر رکھ دی تھی۔ میری جسم کی ایسی مرمت آج تک نہیں بنی تھی اور نہ ہی آج تک میں نے ایسی کُٹ اپنی ٹریننگ کے دوران لگوائی تھی۔ میں کافی دیر تک اپنی مار برداشت کرتا رہا جب سر پر چوٹ ایک خاص حد سے زیادہ بڑھی اور وہ پھوڑے کی طرح دکھنے لگا تو میری دماغ کی اسکرین پر سب کچھ دھندلا ہوتا چلا گیا۔ اس کی حد یہاں پر ہوئی جب میری دماغ کی سلیٹ بالکل بلینک ہو گئی اور میں مزید مار کھانے کے لئے ہوش میں نہ رہا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

آمنہ اور میں اس وقت تہران ائرپورٹ پر موجود اس کے کیفے ٹیریا میں بیٹھے کولڈ ڈرنکس پی رہے تھے۔ اس نے طیارہ لینڈ ہوتے ہی جب ہم یہاں آئے تھے تو اپنے ماموں کو فون کر کے یہیں بلا لیا تھا۔ وہ اس کی یوں اچانک آمد پر حیران تھا اور خوش بھی اس نے یہاں آنے کی فوراً رضامندی ظاہر کر دی تھی۔ اب ہم دونوں ہلکی پھلکی نوک جونک کے ساتھ ساتھ ان کا انتظار بھی کر رہے تھے۔ طیارے والوں نے بتا دیا تھا کہ طیارے کو چلنے میں مزید کئی گھنٹے لگ سکتے تھے۔ ہمارے بے حد اصرار پر انہوں نے کوئی خرابی نہیں بتائی تھی۔ اکثر مسافر احتجاج پر اتر آئے تھے۔ انہوں نے طیارے والوں کو سنگین دھمکیاں بھی دے ڈالی تھیں۔ مگر آگے سے انہوں نے اپنی بے بسی کا اظہار کر دیا تھا کہ جہاز ہے خراب ہو گیا۔ ہمارے اختیار میں تو کچھ بھی نہیں۔ ساتھ ہی وہ تسلیاں بھی دے رہے تھے کہ جلد ہی ٹھیک ہو جائے گا۔ مگر ظاہری طور پر ان کا جلد تو کئی گھنٹوں والا معلوم ہوتا تھا۔ سو میرا اور آمنہ کا یہی پروگرام تھا کہ یہاں سے سیدھا ماموں کے گھر ایک دو گھنٹے رک جائیں گے پھر وہاں سے واپس آ جائیں گے۔ ماموں صاحب کی ایک بیوی تھی

http://paksociety.com

اور ان کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ یہاں پر اس کا اسنو کر کلب تھا جسے کاروبار کا نام دیا گیا تھا۔ پھر کاروبار جیسا بھی ہو اس سے ان کو آمدنی تو ہو ہی رہی تھی۔ لیکن اس کا تعارف پہلی بار ایسے کروایا تھا کہ پتہ نہیں وہ کتنا بڑا تاجر تھا جس کی کتنی بڑی ملز ہونگی پر نکلا تو وہ جوا ریا ہی ناں۔ اب یہ بات مانتا تو کوئی نہیں لیکن اسنو کر کلب سے اس کی کتنی آمدنی ہو جاتی ہو گی خیر میں نے اس سے کوئی بحث نہ کی اور نہ ہی بحث کرنے کا کوئی میرا جواز تھا۔ بس اس سے زیادہ میں نے پوچھنے کی کوئی سعی نہ کی۔ میں نے ایک گھونٹ اپنی بوتل کا لیا تو وہ کہنے لگی

۔

"کیسی ہے آپ کی یہ ڈرنک؟ کاش میں بھی سیاہ رنگ والی منگوا لیتی۔ آپ کو دیکھ کر مجھے اپنی سفید والی اب پی ہی نہیں جا رہی۔"

"کیوں اِس سیاہ رنگ والی میں کیا خاص بات ہے جو آپ سے اپنی سفید رنگ والی نہیں پی جا رہی۔ مجھے تو کوئی خاص فرق نہیں لگ رہا۔ گیس اس میں بھی بھری ہوئی ہے اور اُس میں بھی۔ پینے کے بعد ڈکار آپ کو بھی آنے چاہیں اور مجھے تو آ ہی جائیں گے بس فرق ہے تو صرف رنگ کا ناں اس کے علاوہ اور کیا فرق ہو سکتا ہے؟"

"فرق ذائقے کا ہے۔ آپ والی میں کچھ اور ہے اور میری والی کا کچھ اور اسی لئے تو دونوں کے رنگوں میں فرق ہے۔۔۔۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ ذائقے میں فرق ہے تو ڈکار بھی اسی ذائقے کا آئے گا جب ڈکار اسی ذائقے کا ہو گا تو چہرے پر تاثرات بھی ویسے ہی ہونگے۔ یعنی کہ میرا چہرہ مزید سیاہ ہو جائے گا اور آپ کا آپ کی بوتل کی طرح مزید نکھر جائے گا۔ لیکن اس نکھار میں جو بلبلے بنے ہونگے وہ اپنی مثال آپ ہی ہونگے ہیں ناں۔۔۔۔۔۔" میری بات پر وہ بے اختیار کھلکھلا کر ہنس پڑی اور اپنا منہ اس نے اپنے عبایا میں چھپا لیا۔ کچھ دیر تک وہ یوں ہی اپنا سر دیئے ہنستی رہی پھر سر اٹھا کر مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

"باتیں بنانا تو آپ خوب جانتے ہیں کہاں کی بات کہاں لے جاتے ہیں۔ میں تو سمجھی تھی کہ یہ فن صرف مجھے اور میرے ماموں کو آتا کو ہی آتا ہے پر اب مجھے پتہ چل رہا ہے کہ یہ فن تو آپ کو بھی آتا ہے اور مجھ سے زیادہ بہتر آتا ہے۔ ویسے یہ سب باتیں آپ نے کہاں سے سیکھ لیں؟" اس کی بات سن کر اب میرے ہونٹ پھیل گئے۔

"ہاں میں نے ایک ٹیوٹر رکھا ہوا ہے وہ شام کو آتا ہے پانچ سے چھ وہ مجھے یہ سب کچھ سکھاتا ہے۔ وہ مجھے بتاتا ہے کہ فقرے کیسے بنانے ہیں پھر اس میں کاٹ کیسے رکھنی اور پھر کسی بات کا تڑکا کیسے لگانا ہے۔ پھر اس تڑکے کو کس طرح گھما کر کس نکتے سے لے جا کر

ملالینا ہے۔ یہ سب کچھ وہ مجھے بھاری معاوضے پر سکھاتا ہے۔ آپ کہیں تو آپ کی بھی کلاس رکھوادوں گا۔ خواتین کو تو وہ خصوصی ٹائم دیتا ہے کیونکہ اس کے بقول انہیں ہر چیز سمجھانے میں وقت لگتا ہے اور پھر ہر چیز کھول کھول کر بیان کرنی پڑتی ہے۔"

"کیا بات کر رہے ہیں آپ؟ کیا مجھے سمجھ نہیں آرہیں آپ کی باتیں۔ اس ٹیوٹر کی ایسی کی تیسی۔ عورتیں ہر فن میں مردوں سے آگے ہیں اور ان کی عقل کا تو کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے۔ آپ مجھے ہی دیکھ لیں میں باتیں بغیر ٹیوٹر کو رکھے خود ہی بنالیتی ہوں۔ میرا کام ہے لیکچر دینا تو الفاظ آتے جاتے ہیں اور میں لیکچر کو آگے بڑھاتی چلی جاتی ہوں۔ یہ کیا بات ہوئی بھلا اور اس ٹیوٹر کی ایسی کی تیسی جو ایسی باتیں کریں۔ کہاں ہے وہ جو میں اس کو بتاؤں اگر وہ میرے سامنے ہوتا ناں تو تو۔۔۔ تو میں اپنی جوتی اتار کر اس کی دھنائی کر دیتی۔" میری توقع کے عین مطابق اس کا پارہ ہائی ہو گیا اور میں اس سچوئیشن سے خوب لطف اندوز ہو رہا تھا۔ میری خواہش تھی کہ میں کچھ دیر یوں ہی اسے ستاتا رہوں۔ کیونکہ اس کا غرور کچھ زیادہ ہی بڑھتا جا رہا تھا۔ لیکن میرے ارمانوں پر اس وقت اوس پڑ گئی جب ماموں صاحب تشریف لے آئے اور ان کو دیکھتے ہی وہ خوشی سے نہال ہو گئی۔ ہاتھ ہلا کر انہیں بلالیا۔ وہ اس وقت ڈائننگ ہال کے دروازے سے متلاشی نظروں سے ہم دونوں کو چار سو دیکھ رہے تھے۔ آمنہ جہاں کا ماموں قیصر جہاں ایک درمیانے قد کا شخص تھا، اس نے سبز رنگ کا میچنگ پینٹ شرٹ پہنا ہوا تھا اور اس کے چہرے سے مکاری ٹپ رہی تھی۔ وہ چیز میں نے اب تک آمنہ جہاں میں نہیں دیکھی تھی۔ اس کی باتوں میں میں نے تا حال معصومیت ہی دیکھی تھی۔ آمنہ کے مسکرا کر ہاتھ ہلاتے ہی وہ تیر کی طرح ہماری جانب لپکا۔ اس کے ہمارے پاس آتے ہی ہم دونوں اٹھ کر کھڑے ہو گئے وہ مجھ سے نہایت گرم جوشی سے ہاتھ ملا کر گلے ملا اور پھر مسکراتا ہوا مجھے دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں خاص چمک تھی جسے میں دیکھ کر چونک گیا۔ مجھے اس کی چال میں غیر معمولی پھرتی لگی۔ اس کی ایک خاص چمک نے مجھے کچھ دیر کے لئے تشویش میں مبتلا کر دیا کیونکہ یہ عام انسانوں والی نہیں تھی اور اس میں کچھ نہ کچھ گڑبڑ ضرور تھی۔

اس کے آتے ہی آمنہ نے فوراً چلنے کے لئے کہا چونکہ میں پہلے ہی حامی بھر چکا تھا لہذا ان کے ساتھ چلنے میں انکار نہ کر سکا۔ کیونکہ اب مجھے پہلی بار ٹریپ ہونے کی بو آئی تھی۔ مجھے لگ رہا تھا کہ جیسے اب تک یہ سارا ایک کھیل کھیلا جا رہا تھا اور مجھے خاص طور پر ٹریپ کیا جا رہا تھا اور پھر اسی سلسلے میں مجھے لے جایا جا رہا ہے۔ بظاہر ایسی کوئی بات دکھائی نہیں دیتی تھی آمنہ بھی نارمل تھی مگر قیصر جہاں کی آنکھوں کی خاص چمک نے مجھے چونکا دیا تھا۔

اپنی تو زندگی انہی چکروں اور بکھیڑوں میں گزر رہی تھی سو میں نے خدا کا نام لیا اور ان کے ساتھ ہو لیا۔ جو بھی ہونے والا تھا اب وہی اوپر والا ہی میری حفاظت کرتا۔ میں ان کے ساتھ چلتا ہوا سیدھا باہر نکلا اور ہم وہاں سے پارکنگ میں آ گئے۔ آمنہ نے اپنے کندھے پر برائون کلر کا پرس لٹکایا ہوا تھا اور اس پر بڑا سا انگریزی حرف۔"ڈی" لکھا ہوا تھا اور میرے ہاتھ میں میرا بریف کیس تھا۔ جس کا مطلب تھا کہ واپسی پر ایک بار پھر ائیر پورٹ پر ہماری چیکنگ ہونے والی تھی۔

ہم پارکنگ میں پہنچے تو وہاں پر ہمیں ایک بڑی سے ریڈ کلر کی گاڑی کھڑی ہوئی نظر آئی۔ جس پر بھی بڑا سا انگریزی حرف۔"ڈی" لکھا ہوا تھا۔ یہ ڈی کیا تھا میری سمجھ میں نہیں آیا اور اتفاق سے پورے سفر کے دوران بھی میری نظر اس کے پرس پر لکھے ہوئے "ڈی" پر نہیں پڑی تھی۔ جب ہم لوگ اپنے اطراف کے دروازے کھول کر بیٹھ گئے اور قیصر جہاں نے اپنی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تو مجھے اس کے بیک مرر پر ایک بڑا سا لوکٹ لٹکا لگا ہوا نظر آیا وہ بھی ڈی تھا۔ آخر یہ ڈی کیا تھا؟ یہ کس بلا کا نام تھا۔۔۔۔۔۔۔ یہ راز کیا تھا میرے اعصاب تن گئے اور میں آنے والے خطر کے لئے ذہنی طور پر تیار ہو گیا۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

(جاری ہے)

آپکی قیمتی رائے کا انتظار رہے گا۔۔

http://paksociety.com